دورہ یورپ، فرانس بالخصوص سپین کے تفصیلی حالات اور وہاں احیاء دین کا عزم

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۸ / اکتوبر ۱۹۸۵ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:

یورپ کا یہ سفر جو ابھی ہم نے اختیار کیا تقریباً ایک مہینے اور چار دن کا سفر تھا اور یہ تمام عرصہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بہت ہی مصروفیت میں کٹا۔ یہ سفر مصروف بھی بہت رہا اور کئی لحاظ سے خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کے احسان کے ساتھ بہت مفید بھی ثابت ہوا۔

اس سفر کے دوران خدا تعالیٰ کے فضل اور احسان کے نتیجہ میں پانچ نئے مراکز کے افتتاح کی توفیق ملی جن میں سے آخری مرکز جس کا افتتاح کیا گیا وہ فرانس کا تھا۔ اس سے پہلے تو یہی ارادہ تھا کہ فرانس میں انگلستان کی جماعت کو خصوصیت سے شمولیت کی عام دعوت دی جائے اور اس کے لئے دعوت عملاً دی بھی گئی اور تیاریاں بھی بہت ہو چکی تھیں لیکن ہم سپین میں ہی تھے تو معلوم ہوا وہاں ابھی تیاری مکمل نہیں اور جس جگہ مشن کھولا جا رہا ہے وہاں کے ڈپٹی میئر کا رویہ بھی معاندانہ ہے اور اس مشن کو آسانی سے وہ قبول نہیں کر رہے اس لئے ان حالات میں بہتر ہے کہ تقریب یا تو نہ کی جائے یا مختصر کی جائے۔ چنانچہ نہ کرنے کا تو سوال ہی نہیں تھا اس لئے میں نے کہا کہ فرانس کی جماعت کے جو دوست ہوں گے ان کے ساتھ مل بیٹھ کر ہم دعا کے ذریعہ افتتاح کر دیں گے۔ رفتہ رفتہ جب ان لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ہم کیسے ہیں، کیسا اخلاق رکھتے ہیں تو ان کے دل جیتنے کی بعد پھر

آہستہ آہستہ کیفیت بدل جائے گی۔

امر واقعہ یہ ہے کہ فرانس کے ساتھ احمدیت کا جو پہلا رابطہ ہوا ہے وہ بھی کوئی ایسا خوشکن اور نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوا۔ یہ ۱۹۴۶ء کی بات ہے جب حضرت مصلح موعودؓ نے یورپ میں جنگ کے بعد نئے مشن ہاؤسز، نئی مساجد کی تعمیر کا پروگرام بنایا اور اسی سال سے نافذ العمل کرنا شروع کر دیا اس میں فرانس بھی تھا اور ۱۹۴۶ء میں اگر چہ کرایہ کا مکان تھا۔ باقاعدہ کوئی عمارت تو خریدی نہیں جاسکی۔ یا مسجد کے لئے زمین بھی نہیں لی گئی لیکن سپین کی طرح یہاں یہی مبلغ بھجوا دیئے گئے تھے جو تقریباً پانچ سال پیرس میں ٹھہرے ہیں اور ان کی رپورٹوں سے یہی تاثر لیا گیا حضرت مصلح موعود نے بعض دفعہ خطبوں میں بھی ذکر فرمایا کہ فرانس کی زمین سر دست اسلام کے لئے سنگلاخ معلوم ہوتی ہے اور اس قوم کے رویے میں تکبر پایا جاتا ہے اور پیرس خصوصیت کے ساتھ چونکہ ساری دنیا کی عیاشی کا مرکز ہے اس لئے وہاں مادہ پرستی اور دنیا سے محبت کا جو رنگ ہے وہ یورپ کے دوسرے شہروں میں نہیں ملتا۔ تو پانچ سال کے تجربے کے بعد وہ مشن بند کر دیا گیا۔

اس دفعہ بھی ہمارا تجربہ یہی رہا کہ فرانس میں خصوصیت کے ساتھ پیرس کیونکہ جب میں فرانس کہتا ہوں تو فرانس تو ایک وسیع ملک ہے اور اس کے مختلف خطوں کے لوگ مختلف مزاج رکھتے ہیں اس لئے میں سارے فرانس کے متعلق کوئی فتویٰ نہیں دینا چاہتا لیکن پیرس خصوصیت کے ساتھ ایک ایسی جگہ ہے جہاں ابھی بھی وہی دنیا پرستی کا رنگ غیر معمولی طور پر غالب ہے اور اہل فرانس کے مزاج کو اگر پیرس کے پیمانے سے ماپا جائے تو آج بھی یہی فیصلہ ہوگا کہ نہایت متکبر ہیں اور دنیا پرست ہیں لیکن میرے نزدیک یہ پیمانہ درست نہیں۔ نہ لندن سے انگریز کا مزاج پہچانا جاسکتا ہے نہ پیرس سے اہل فرانس کا مزاج پہچانا جاسکتا ہے۔ South of France جہاں جہاں سے ہم گزرے ہیں وہاں بالکل اور قسم کے لوگ ہم نے دیکھے۔ بڑے خلیق اور مہمان نواز اور ہنس مکھ۔ باہر سے آنے والوں کا کھلے بازوؤں سے استقبال کرنے والے، ان کے رنگ بالکل مختلف تھے لیکن پیرس میں بالکل ایک اور رنگ نظر آیا۔

بہرحال اس مشن کا افتتاح ہوا دعاؤں کے ساتھ اور پرسوز دعاؤں کے ساتھ اور جماعت فرانس کی ایک کافی تعداد خدا کے فضل سے وہاں موجود تھی۔ جماعت فرانس کو ایک مرکز مل گیا ہے اور

امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اب وہاں احمدیت کا نور دن بدن زیادہ شان کے ساتھ، زیادہ وسعت کے ساتھ اور جہاں تک دلوں کا تعلق ہے زیادہ گہرائی کے ساتھ ہر طرف منتشر ہونے لگے گا۔

فرانس کا کچھ اتنا قصور بھی نہیں کیونکہ فرانس تعارف کے لحاظ سے ابھی بہت پیچھے ہے۔ عجیب اتفاق ہوا ہے کہ فرانس اور فرانس کی جو Colonies تھیں ان سب جگہ میں احمدیت کا تعارف بہت دیر سے شروع ہوا ہے۔ افریقہ میں بھی جہاں جہاں فرانس کی حکومت تھی، فرانس کا رسوخ تھا وہاں جماعتی تعارف بہت لیٹ شروع ہوا ہے۔ تو ان چیزوں کا بہت اثر پڑتا ہے۔ ان کو پوری طرح علم نہیں کہ جماعت ہے کیا؟ ان کو ہماری عالمی حیثیت کا ہی پتہ کچھ نہیں۔ اس لئے وقت لگے گا لیکن بہرحال مجھے تو اس تجربے سے جو اہل فرانس کی آواز آئی ہے وہ یہ ہے کہ:

بہرہ ہوں میں تو چاہئے دونا ہو التفات
سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر

(دیوان غالب صفحہ:111)

میں بہرا ہوں تو مجھے چھوڑ تو نہیں دو گے ذرا اور اونچی آواز میں اور بار بار مجھے آواز پہنچاؤ۔ چنانچہ میں نے وہاں افتتاح کے وقت اپنے اس ردعمل کا اظہار یوں کیا کہ جہاں تک جماعت احمدیہ کا ردعمل ہے وہ تو یہ ہے کہ اب ایک نہیں انشاء اللہ تعالیٰ فوری طور پر فرانس میں دو مرکز بنائیں گے اور یہ تو ایک مکان لیا گیا ہے بڑا اچھا اور وسیع مکان ہے۔ بہت کشادہ کمرے ہیں اور کچھ عرصہ تک جماعت کی آئندہ ضروریات کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ بہت حد تک کفیل رہے گا لیکن اب خیال یہ ہے کہ یا پیرس کے گردونواح میں یا جنوبی فرانس میں جہاں لوگوں کے اخلاق بہتر معلوم ہوئے ہیں وہاں ایک وسیع خطہ زمین لے کر وہاں نہایت خوبصورت اور عظیم الشان مسجد بنائی جائے اور مسجد کے ساتھ پھر مشن ہاؤس بھی قائم کیا جائے۔ تو ہم تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ لوگ نہیں ہیں جن کے خمیر میں مایوسی پائی جاتی ہو یا شکست لکھی گئی ہو۔ ہم تو انشاء اللہ تعالیٰ اہل فرانس کو بہرحال فتح کریں گے اور ان کے دل جیتیں گے۔ کیونکہ فرانس کو ایک عالمی حیثیت حاصل ہے اس کے اثرات دنیا میں اور بھی بہت سے ملکوں اور قوموں پر پڑتے ہیں۔ اگر فرانس میں احمدیت کا مشن مضبوط ہو جائے تو کثرت کے ساتھ دنیا میں فرانسیسی بولنے والے علاقے ہیں جہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے نفوذ کی راہیں نکل آئیں گی اس

لئے یہ غیر معمولی اہمیت کا علاقہ ہے اسے ہم بہر حال نہیں چھوڑیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس زمانہ میں غیر معمولی مالی مشکلات اور بعض دوسری دقتیں پیش نہ ہوتیں تو حضرت مصلح موعود بھی اس مشن کو بند نہ کرتے مگر دوسرے بیرونی ممالک سے طلب شروع ہو چکی تھی اور اس زمانہ میں واقفین بھی تھوڑے تھے اور جماعت احمدیہ کی مالی حالت بھی ایسی نہیں تھی کہ ہر قسم کے پھیلتے ہوئے مطالبوں کو پورا کر سکے۔ اس لئے لازماً حضرت مصلح موعود کے مزاج کو میں سمجھتا ہوں کبھی ہو نہیں سکتا کہ آپ نے مایوسی کی حالت میں مشن بند کیا ہو۔ وقتی طور پر اس ارادہ کے ساتھ بند کیا ہوگا کہ بعد میں جب بھی خدا توفیق دے گا ہم انشاء اللہ بڑے زور کے ساتھ اس کام کو دوبارہ شروع کریں گے۔ تو اس کام کو دوبارہ شروع کرنے کا خدا کے فضل سے اس دورے میں آغاز ہو چکا ہے۔ باقی احباب جماعت دعائیں کریں اللہ تعالیٰ دلوں کو بدلنے والا ہے اور فرانس کی سرزمین کو جو عملاً اسلام کی طلب پیدا ہو چکی ہے اس کے دوسرے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم دوبارہ اب پورے زور کے ساتھ یہاں کوشش کریں اور دعاؤں کی مدد سے ہم انشاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہوں گے۔

اس سفر میں پانچ مراکز کا افتتاح کرنے کی توفیق ملی اور چار جگہ نئی زمینیں دیکھی گئیں جہاں سودا ہو رہا ہے اور امید ہے انشاء اللہ تعالیٰ وہاں بھی اس سال کے اندر یا اس سال کے آخر تک زمینیں خرید لیں گے اور ہو سکتا ہے آئندہ سال ہم وہاں باقاعدہ مشنوں کی تعمیر کا کام بھی شروع کر دیں۔

ایک جرمنی کے شمال میں ہیمبرگ میں ہمارا مشن بہت چھوٹا ہو چکا تھا۔ وہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے زمین کا ایک بہت ہی اعلیٰ اور وسیع ٹکڑا مل رہا ہے جس علاقے کے میئر نے وعدہ بھی کیا ہے کہ معاہدہ میں شامل کر لوں گا کہ مسجد آپ بنا سکتے ہیں۔ دوسرے تعمیر کی وہاں بڑی وسیع گنجائش موجود ہے۔ یعنی ایسا علاقہ ہے جہاں جرمنی میں پہلے سے ہی تعمیر کی اجازت دی جا چکی ہے ورنہ جرمنی میں زمینوں کا حاصل کرنا جہاں تعمیر کی جا سکے بہت ہی مشکل کام ہے اور اگر آپ بغیر اجازت کے زمین لے لیں تو سالہا سال کی کوششوں کے بعد بھی بعض دفعہ وہ درخواستیں رد ہو جاتی ہیں۔

دوسرے جرمنی ہی میں میونخ کے مقام پر وہاں کچھ زمینیں ہم نے دیکھی تھیں مگر ابھی کوئی مناسب حال جگہ نہیں ملی ابھی تک۔ وہاں بھی انشاء اللہ ایک مسجد اور ایک مشن ہاؤس بنانا ہے۔

سپین میں غرناطہ کے مقام پر بہت کثرت کے ساتھ وہاں طلب ہے اس قدر طلب ہے کہ جس علاقے میں ہم زمین دیکھنے جاتے تھے وہاں ایک خوشی کی لہر دوڑ جاتی تھی اور لوگ باتیں کرتے تھے علاقے والوں کو میئر کہتے تھے کہ ہمارے علاقے میں مسجد بنے گی۔ فرانس کے مقابل پر اس قوم کا بالکل برعکس رجحان ہے۔ اخباری نمائندے بھی سوال کرتے تھے کہ بتاؤ کس علاقے کو تم نے چنا ہے۔ چنانچہ وہاں متعدد جگہ پر زمینیں دیکھی گئیں اور ایک دو جگہیں جو پسند آئی ہیں ان کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔ دونوں بہت ہی آباد سڑکوں پر واقع ہیں۔ وسیع کشادہ سڑکیں جو بڑے بڑے شہروں کو ملاتی ہیں۔ دونوں سڑک سے بالکل لگتی ہیں یا اتنی قریب ہیں کہ وہاں سے گزرنے والوں کو مسجد بڑی نمایاں طور پر نظر آئے گی۔ ایک کا رقبہ تو خدا کے فضل سے بارہ ایکڑ سے بھی زائد ہے اور کونے کا پلاٹ ہے جس کے ایک طرف مین روڈ جاتی ہے اور ایک طرف چھوٹی سڑک جاتی ہے۔ وہاں جب ہم گئے تو وہاں بھی ایک ہنگامہ ہو گیا۔ لوگ وہاں اکٹھے ہونے شروع ہو گئے لٹریچر مانگ مانگ کر لوگ لینے لگے یہاں تک کہ میر محمود احمد صاحب جو ساتھ تھے۔ کہنے لگے ہمارے پاس تو ختم ہو گیا ہے لیکن مطالبہ جاری تھی۔ ایک شوق ایک طلب جو عموماً سپین میں پائی جاتی ہے جس کا اس زمین کے خریدنے کے موقع پر بھی مشاہدہ کیا۔

سپین کا دورہ جہاں خدا کے تعالیٰ کے فضل سے کئی لحاظ سے بہت کامیاب بھی رہا اور کئی لحاظ سے دل پر نہایت غم کے اثرات چھوڑنے والا تھا اور سپین میں رہنا بہت ہی مشکل تجربہ تھا کیونکہ میں نے جیسا کہ سپین کے خطبہ جمعہ میں بھی ذکر کیا ہے کثرت سے ایسے گرجے وہاں پائے جاتے ہیں جو کسی زمانہ میں مسجدیں ہوا کرتی تھیں۔ اب ان میں کوئی خدا کا نام لینے والا باقی نہیں۔ اس کثرت سے ہیں کہ بعض شہروں میں جب پوچھا گیا کہ کوئی مسجد یہاں ہے پرانی کہ نہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ جس گرجے میں جاؤ وہ مسجد تھی۔ چنانچہ جب ہمارے مشنری نے جا کر دیکھا تو پتہ چلا کہ واقعۃً وہ صحیح کہہ رہے تھے۔ جس گرجے میں وہ گئے پرانی مسجد کے آثار ملتے تھے ابھی تک بعض جگہ کلمہ توحید لکھا ہوا نظر آتا تھا۔ بعض جگہ یہ تختیاں لگی ہوئی تھیں کہ فلاں بزرگ آئے تھے فلاں بادشاہ یہاں آئے تھے۔

تو خوشکن تو اس لحاظ سے ہے کہ اہل سپین ہمیشہ سے ہی احمدیت کا خدا کے فضل سے کھلے بازوؤں سے استقبال کرتے ہیں لیکن دوسری جو فضا ہے وہ اس طرح یادوں پر اثر ڈالتی ہے کہ گہرے

غم کے سائے میں انسان چلا جاتا ہے اور ایسا غم نہیں جو مایوس کن ہو، ایسا غم ہے جو زیادہ انگیخت کرتا ہے، زخموں کو زندہ کرنے والا غم ہے، ان زخموں کو چھیڑتا ہے جن کے نتیجہ میں پھر ارادے کھلتے ہیں۔ لیکن ان اثرات کے جو نتائج ہیں ان کے متعلق میں پھر آخر میں بات کروں گا۔

اس وقت تو میں یہ بتاتا ہوں کہ وہاں دو جگہ ہماری بڑی تقریبات تھیں ایک تو پیدروآباد کے اندر اس سارے علاقے کے لئے اور ایک غرناطہ میں۔ میڈرڈ ہم اس دفعہ نہیں جا سکے اگرچہ وہاں بھی مشن موجود ہے لیکن سفر کے دوران وہ ایک رستہ پر رہتا تھا اور وقت کی کمی تھی اس لئے لازماً ہمیں میڈرڈ کو اپنے پروگرام میں سے مجبوراً کاٹنا پڑا۔

پیدروآباد میں جو تقریب ہوئی ہے اس میں خدا تعالیٰ کے فضل سے مقامی باشندوں کی اتنی حاضری تھی کہ میرا تاثر بھی یہی تھا اور میر صاحب (سید محمود احمد ناصر صاحب) کا بھی یہی تاثر تھا کہ افتتاحی تقریب پر جو باہر سے آنے والے احمدی مہمان تھے اگر ان کو نکال دیا جائے تو سپینش باشندوں کی شمولیت اس میں زیادہ تھی۔ دو ہزار کرسیوں کا انتظام تھا جن میں سے ایک سو چونکہ بہت تیز دھوپ میں پڑی ہوئی تھیں وہ خالی رہیں، باقی انیس سو کرسیاں بھر گئیں اور برآمدہ جو بڑا وسیع ہے اس میں لوگ بھرے ہوئے تھے اور اس کے علاوہ بھی پھرنے والے موجود تھے۔ تو خدا تعالیٰ کے فضل سے دو ہزار سے زائد سپینش مہمان آئے ہوئے تھے اور تقریب اس دفعہ کچھ مختلف رنگ کی تھی۔ اسی تقریب میں عوام الناس کے علاوہ خواص کو بھی دعوت دی گئی تھی اور یہ صرف مقامی جلسہ نہیں تھا بلکہ سپین کے خواص کی نمائندگی بھی گزشتہ مرتبہ کے مقابل پر زیادہ تھی۔ چنانچہ امریکن قونصلیٹ اور انکے ساتھی، آسٹرئین قونصلیٹ اور سپینش گورنمنٹ کے نمائندے اور بھی اس قسم کے معززین اور دانشور، پریس کے نمائندے، چوٹی کے جو اخبارات ہیں ان کے نمائندے، ریڈیو ٹیلی وژن کے نمائندے یہ سارے موجود تھے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سپین والوں نے جو پہلے حسن سلوک کیا آج بھی وہ اسی طرح جاری ہے اور باوجود اس کے کہ وہ خوب اچھی طرح جان چکے ہیں بارہا اخبارات میں یہ بات چھپ چکی ہے کہ جماعت احمدیہ کو پاکستان میں غیر مسلم سمجھا جا رہا ہے اور کثرت سے بعض حکومتوں کی طرف سے یہ پروپیگنڈا کیا گیا ہے کہ احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھو ان سے کوئی تعلق نہ رکھو ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کوشش کے باوجود خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت یعنی حقیقی اسلام

کی طرف ان کا رجحان خدا کے فضل سے پہلے سے بھی بڑھ کر ہے۔

دوسرا اس تقریب میں جو نمایاں فرق تھا وہ یہ تھا کہ بجائے اس کے کہ ایک لمبی تقریر کی جاتی نہایت مختصر الفاظ میں میں نے ان کو خوش آمدید کہا اور ان کو موقع دیا کہ وہ جس قسم کے سوال اسلام پر یا اپنے مسائل پر کرنا چاہتے ہیں وہ کریں۔ چنانچہ اس سے یہ تقریب خدا کے فضل سے بہت ہی پر لطف اور بھر پور رہی۔ اس کثرت سے دوستوں کی طرف سے پھر سوال شروع ہوئے کہ آخر پر پھر مجھے خود ہی روکنا پڑا کیونکہ بعد میں مہمانوں کی چائے سے تواضع بھی کرنی تھی۔ بعض ایسے معزز مہمان تھے جو معین وقت کو مدنظر رکھ کر آئے تھے اور انہوں نے اپنی دوسری تقریبات میں بھی جا کر حصہ لینا تھا۔ بہر حال اگر چہ وقت زیادہ بھی ہو گیا تھا لیکن یہ سارے لوگ ٹھہرے رہے ان میں سے کوئی بھی نہیں گیا۔ چند ایک نے چائے میں شمولیت سے معذرت کی کیونکہ انکو پہلے ہی بہت دیر ہو چکی تھی مگر تقریب کے دوران خدا کے فضل سے تمام احباب مرد، عورتیں اور بچے پوری طرح توجہ کے ساتھ بیٹھے رہے اور بعض مواقع پر تو بڑی نمایاں انہوں نے Response دی ہے۔ یعنی ان کا طریق ہے تالیاں بجانے کا تالیاں بجا کر بھی اور پھر کھڑے ہو کر تالیاں بجا کر بھی بڑے جوش کے اظہار سے انہوں نے اپنی محبت کا اپنے رنگ میں اظہار کیا۔

وہاں اخبارات کی نمائندگی کے علاوہ مختلف قسم کے ریڈیو سٹیشن ہیں جن کی طرف سے میر صاحب کو بار بار ٹیلیفون پر بلایا جاتا تھا کہ Running Commentary کرو اور بتاؤ کہ تقریب میں کیا ہو رہا ہے، کون کون آئے ہیں، کیا مقصد ہے اور کہتے تھے کہ آپ فون پر جو باتیں کہہ رہے ہیں یہ براہ راست نشر ہو رہی ہیں۔ چنانچہ اسی دوران پانچ چھ مرتبہ میر صاحب کو بار بار توجہ دینی پڑی اور کئی ریڈیو سٹیشنز نے ان کا Live Interview نشر کیا اور ریڈیو اور ٹیلی وژن جو ہم سے خبریں لے کر گئے وہ انہوں نے بہر حال بعد میں نشر کرنی تھیں، لائیو پروگرام یہاں سے ممکن نہیں تھا۔ اخبارات کی Response بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت اچھی تھی کیونکہ جو اخبار میر صاحب نے دکھایا تھا اس میں خدا کے فضل سے بہت ہی اچھا Coverage تھا لیکن وہ بتا رہے تھے کہ بعد میں ہم اکٹھا کر کے انشاء اللہ تراجم کر کے بھجیں گے۔

غرناطہ میں جو تقریب تھی یہ عوامی دعوت کی تقریب نہیں تھی کیونکہ ان کو تاکید کی گئی تھی کہ ہوٹل

میں یہاں کے دانشوروں کو بلایا جائے اور یونیورسٹیوں کے نمائندہ، شاعر اور آرٹسٹ اور ہر قسم کے طلبہ اور دیگر دانشور جو کہلاتے ہیں زیادہ تر ان لوگوں کو بلایا جائے تا کہ ان کو اسلام کے متعلق سوال و جواب کا موقع ملے۔ چنانچہ خدا کے فضل سے یہ تقریب بھی بڑی بھر پور رہی۔ اس میں تو اتنی دیر لگ گئی کہ جو چائے کا وقت تھا وہ گزر کر کھانے کے وقت میں تبدیل ہو گیا اور پھر بھی ابھی سوال باقی تھے۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ اب ہم مجبور ہیں بعض دوست بیچاروں کو جانا ہو گا اس لئے چائے پہ چلتے ہیں۔ چنانچہ چائے یا کافی کے بعد چونکہ بعض دوستوں کو طلب تھی اس لئے میں نے ان سے دوبارہ کہہ دیا کہ اگر کوئی دوست ٹھہرنا چاہتے ہیں ان میں سے کسی کے سوال رہ گئے ہیں تو وہ بے شک دوبارہ آجائیں۔ چنانچہ بہت سے دانشوران میں سے تشریف لے آئے اور انہوں نے ایک شکوہ کیا کہ آپ نے بیچ میں اخباری نمائندوں کو اور ریڈیو کے نمائندوں کیوں بلا لیا۔ ان کی وجہ سے ہماری مجلس جس طرح ہم چاہتے تھے جم نہیں سکی۔ ان کو اپنے کاموں میں جلدی ہوتی ہے ان کے سوال اور قسم کے ہوتے ہیں ہم تو بڑی سنجیدگی کے ساتھ آپ سے مختلف گہرے مضامین پر آپ سے سوال کرنا چاہتے تھے۔

چنانچہ ان میں ایک شاعر بھی تھے جن کے متعلق ایک دوسرے سپینش شاعر نے جو خود بھی تشریف لائے ہوئے تھے بتایا کہ اس وقت یہ سپین کے بہترین شاعر ہیں۔ سارے سپین میں صرف اندلس کے نہیں بلکہ چوٹی کا کلام کہنے والے اور بہت ہی گہرا اثر رکھنے والے، تمام بڑی تقریبات میں ان کو خصوصیت سے دعوت دی جاتی ہے۔ وہ بھی اور بعض دوسرے دانشور اور یونیورسٹیوں کے طالب علم وہاں بیٹھ گئے اور یہ مجلس بھی رات تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تک یا بارہ بجے تک چلتی رہی۔ صبح دوسرے دن چونکہ ہم نے جانا بھی تھا جو دوست بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے خود بھی کھانا کھانا تھا اس لئے آخر پر پھر ان سے اجازت لینی پڑی لیکن ان کے سوالات سے اندازہ ہوا کہ اس وقت باقی یورپ کی طرح سپین میں بھی دہریت عام ہو رہی ہے اور مذہب کا جو پہلے خیال تھا، کھوکھلا سا ایک تصور تھا اب وہ تصور بھی ٹوٹ رہا ہے۔ چنانچہ جب میں ایک موقع پر وہاں پیدروآباد میں مجھ سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ کے نزدیک Roman Catholicism اور اسلام میں سے کون جیتے گا کس کا مستقبل ہے؟ تو میں نے ان کو یہ جواب دیا کہ جہاں تک Roman Catholicism کا تعلق ہے وہ تو مر چکا ہے کیونکہ Roman Catholicism اگر کامیاب ہوا ہوتا تو تمہاری قوم دہریہ

نہ ہو رہی ہوتی اگر Roman Catholicism کامیاب ہوا ہوتا تو ایسی عام بغاوت تمہارے معاشرہ کے خلاف اور تمہاری فلاسفی کے خلاف نظر نہ آتی جو اس وقت نظر آرہی ہے۔ تو رومن Roman Catholicism کا تو مقابلے کا سوال نہیں کیونکہ وہ تو تجربہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ ناکام ہو چکا ہے اور جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اس کے بارہ میں ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے کیوں کامیاب ہوگا۔ یہ عمومی تاثر تھا جو وہاں پیدرو آباد میں مجھ پر پڑا لیکن غرناطہ میں جا کہ چونکہ دانشور لوگ آئے ہوئے تھے وہاں یہ محسوس ہوا کہ یہ تو بہت ہی گہرا زہر ہے جو معاشرے میں پھیل چکا ہے۔ اشتراکیت ہی نہیں اشتراکیت کے سوا بھی خدا کے خلاف بغاوت، مذہب کے خلاف بغاوت اور ان سب قدروں کو پیچھے چھوڑ کر کسی نئی چیز کی تلاش اور یہ وہ چیز ہے جو احمدیت کے سوا کوئی ان کو دے ہی نہیں سکتا۔ ناممکن ہے اور کسی کے پاس ہے ہی نہیں اور جس قسم کے سوال وہ کرتے ہیں جو Orthodox Islam آجکل کہلاتا ہے۔

Orthodox تو اصل میں ہم ہیں کیونکہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ ہی سے اسلام شروع ہوا اور سب سے Orthodox تو وہ زمانہ کہلانا چاہئے لیکن موجودہ اصطلاح میں جب Orthodox کہا جاتا ہے تو Medieval Islam مراد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلام مراد نہیں۔ بیچ کی صدیوں میں جہاں اسلام میں تشدد پیدا ہوا یا جہاں اسلام میں بدقسمتی سے بعض جاہلانہ خیالات بھی آ گئے بعض کم علم لوگوں نے اسلامی علوم پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اس زمانہ کو Medeival Islam سمجھا جاتا ہے اور اسی کا نام آج کل Orthodox Islam ہے۔ تو Orthodox Islam کے پاس سارے نمائندے آپ جانتے کہ کس قسم کے علماء ہیں۔ ان کے پاس تو ان سوالات کا کوئی جواب نہیں ان کو تو خود ان سوالوں کا ہی علم نہیں۔ ان کی سوچ کی جو نہج ہے وہ بالکل مختلف سمتوں میں جارہی ہے۔

ایک دانشور کو قرآن اور حدیث سے مطمئن کرنا یہ وہ معجزہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے اور بڑے سے بڑے عالم اور بڑے سے بڑے فلسفی کے سامنے بھی ایک احمدی نہ صرف یہ کہ عاجز نہیں آسکتا بلکہ اپنی برتری کو یوں محسوس کرتا ہے جیسے وہ بلند منزل سے نیچے کسی چیز کو دیکھ رہا ہو۔ احمدیت کے علم کلام میں اتنا یقین اور اتنی قوت ہے کہ اس کو جب آپ بیان کرتے

ہیں تو دلوں میں داخل ہوتا ہوا نظر آ رہا ہوتا ہے۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا، الا ماشاء اللہ اتفاق سے ہزار میں سے کبھی ایک ضدی نکل آئے تو وہ اور بات ہے ورنہ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ شدت سے سوال کرنے والا پوری شدت اور غصے اور جذبہ سے سوال کرے اور پھر پوری شدت اور جذبہ کے ساتھ بعد میں تائید نہ کرے۔ سر ہلا ہلا کر بھی اور خوشی کے ویسے اظہار سے، ہر رنگ میں ان کی کیفیت بدل جاتی ہے، اسلامی تصورات کے لئے اُن کی آنکھوں میں محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

چنانچہ غرناطہ میں بھی یہی نظر آیا لیکن اس میں ابھی بہت کام ہے، اتنا وسیع کام کرنے والا ہے کہ جس کی وجہ سے طبیعت پر بہت ہی افسردگی کہنا چاہئے یا احساس غم اور دکھ کا کہ ہم کس طرح یہ کریں گے اور ہم کیا کریں اور کتنی جلد ہونا چاہئے اور ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اپنی بے بضاعتی کی طرف توجہ اور کام کی شدت اور اس کی وسعت اور زمانے کی رفتار اور پھر اپنے پاس جو کچھ ہے۔ کس قسم کے ہمیں آدمی چاہئیں، کس قدر وسیع رابطہ ہمیں کرنے کی ضرورت ہے۔ بے شمار ایسے موازنے تھے جو ذہن میں ابھرتے تھے اور طبیعت کو شدید طور پر بے چین کر دیتے تھے۔ چنانچہ میں نے وہاں غور کیا تو اب یہ نتیجہ نکالا ہے کہ واقفین عارضی جس طرح جا کر وہاں کام کرتے ہیں۔ اس وقت ویسے کام کی ضرورت نہیں ہے۔ محض آپ علاقے میں پھر کر اشتہار تقسیم کر دیں اور اس کے بعد پھر دوسرا واقف زندگی کسی اور جگہ جائے اور پھر وہ کچھ لوگوں میں اشتہار تقسیم کر جائے۔ اس کو ضرور لطف آتا ہے اور اس طرح ایک دفعہ پیغام بھی پہنچ جاتا ہے لیکن اس کے نتیجہ میں اہل سپین سے گہرا رابطہ قائم ہو جائے یہ بات درست نہیں ہے۔

جہاں تک وسیع پیمانے پر Publicity کا تعلق ہے وہ تو خدا کے فضل سے پہلے ہی ہمیں وہاں مل رہی ہے ریڈیو کے ذریعہ، ٹیلی وژن کے ذریعہ اور اخبارات کے ذریعہ۔ میر صاحب اس معاملہ میں بڑے ماہر ہیں اور انہوں نے بڑا وسیع رابطہ رکھا ہوا ہے۔ ان کے آنے سے پہلے بھی ہمارے مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر نے بھی ایسے نامساعد حالات میں جبکہ کچھ بھی ان کے پاس نہیں تھا انہوں نے بھی یہ رابطہ بڑی عمدگی کے ساتھ قائم کیا۔ ان کے بڑے نیک اثرات تھے جو ہم نے افتتاح کے وقت محسوس کئے تو دونوں مبلغ اس فن کے ماہر ہیں اور اسلام کی آواز مختلف ذرائع سے وسیع پیمانے پر اس قوم تک پہنچ رہی ہے لیکن اس سے تبدیلی پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس سے صرف ہماری

موجودگی کا احساس پیدا ہوسکتا ہے۔ اس وقت ضرورت ہے کہ اس رنگ میں وہاں کام کیا جائے اور مبلغین کو بھی میں نے سمجھایا ہے کہ دانشوروں سے رابطہ اور اپنے احمدی دوستوں کے ذریعہ مجالس کا انعقاد جہاں مبلغ جائے اور سوال و جواب کی مجالس لگائے اور ذاتی رابطہ ہو جو کھویا نہ جائے بار بار ان سے ملاقاتیں ہوں اور ان کو بار بار سمجھایا جائے۔ اس طرح محنت کے ساتھ ایک ایک بیج بونے کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں کہ گزرتے ہوئے ہواؤں میں آپ چھٹا دے دیں اور پھر بھول جائیں کہ اس بیج کا کیا بنا۔ وہ زمین میں داخل بھی ہوا کہ نہیں اور اگر ہوا بھی تھا تو جڑیں نکل بھی آئیں تو اس میں روئیدگی جو پیدا ہوئی، اس کی آبیاری کس نے کی؟ جانور تو نہیں چر گئے اگر آبیاری کسی نے کی بھی تھی۔ بے شمار ایسے مسائل ہیں جو نباتاتی مسائل ہیں لیکن روحانی دنیا پر بھی اطلاق پاتے ہیں۔

اس لئے اب تو ضرورت ہے کہ ایک ایک درخت کاشت ہو اور اس کی حفاظت کی جائے مسلسل اس سے رابطہ رہے اور اس وجہ سے مجھے اب اس وقف عارضی کے پروگرام کو بدلنا پڑے گا۔ اب تو ہمیں ایسے واقفین کی ضرورت ہے جو جا کے کسی ایک جگہ ٹھہر کے ذاتی دوستیاں بنائیں اور پھر وہاں ٹھہرے رہیں اور تعلقات بنائیں پھر ان کو اپنے پاس آنے کی دعوت دیں۔ ذہانت کے ساتھ مطالعہ کریں کہ کون سے لوگ ہیں جن میں اس قدر سنجیدگی پائی جاتی ہے کہ وہ مذہب کا مطالعہ کریں۔ ان کے خیالات کو Excite کریں ان کو روحانیت کا پیغام دیں، ان کے لئے دعائیں کریں اور ان کے اندر دعا کی طلب پیدا کریں اور ان کو بتائیں کہ ہمارا ایک خدا ہے۔ یہی آج اس قوم کے دل کی آواز ہے کہ اگر خدا ہے تو کہاں ہے؟ اور وہ کیوں ہم سے رابطہ نہیں رکھتا؟ تو ذاتی رابطہ اور بہت سنجیدگی کے ساتھ تعلقات کو آگے بڑھانا پھر جلد از جلد خدا کی طرف لے کے آنا اور اس سلسلہ میں دعاؤں پر زور دے کر ان پر ثابت کرنا کہ روحانیت کوئی فرضی چیز نہیں ہے بلکہ ایک زندہ حقیقتوں میں سے ایک زندہ حقیقت ہے اور ان کو یہ بتانا کہ دیکھو دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں تمہیں دکھاتے ہیں کہ وہ کون سا خدا ہے جس نے ہم سے رابطہ کیا ہے۔ اس قسم کے واقفین ہیں جو وہاں کامیاب ہوسکیں گے اور اسی نہج پر آئندہ سپین میں کام کرنا چاہئے ورنہ تو سپین کی باہر کی دنیا ایک بالکل مردہ دنیا ہے۔

وہاں غرناطہ میں جب وہ سوال کر رہے تھے تو مجھے خیال آیا کہ بالکل یوں معلوم ہوتا ہے کہ

بے بصیرت لوگ ہیں جن کو روشنی کے ہوتے ہوئے بھی پوری طرح اندھیرا دکھائی دے رہا ہے۔ یعنی خدا کا وجود جو ہر ذرہ سے ظاہر ہوتا ہے اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں بول رہا ہے نہ اس کی آواز کو ان کے کان سن سکتے ہیں نہ اس نور کو وہ کسی پہلو سے بھی دیکھ سکتے ہیں، کلیۃً ایک خلا محسوس ہو رہا ہے۔ اور جس خدا پر وہ ایمان لا رہے ہیں وہ بھی ایک قدیم زمانہ کا خدا ہے جو ماضی میں سینکڑوں ہزاروں سال پیچھے رہ چکا ہے۔ زندہ قدم بقدم ساتھ چلنے والا اور سہارا دینے والا، آئندہ کی راہ دکھانے والا، آئندہ کی امیدیں پیدا کرنے والا ایسا کوئی خدا ان کو معلوم نہیں۔ اس لئے یہ ایک مرکزی حقیقت ہے جس پر زور دے کر ایسے ملکوں میں تبلیغ کامیاب ہو سکے گی اس لئے آئندہ اسی نہج پر کام ہونا چاہئے۔

غرناطہ ہی میں مَیں نے وہاں ایک مثال سنی جو بڑی دلچسپ ہے جو غرناطہ کے حسن کے متعلق بیان کی جاتی ہے۔ سپینش کہاوت ہے کہ غرناطہ کے اندھے یہ آواز دیتے ہیں کہ اے خاتون! کچھ راہ مولیٰ مجھے خیرات دیتی جاؤ کیونکہ غرناطہ کے اندھے سے زیادہ دنیا میں اور کوئی محروم اور قابل رحم چیز نہیں ہے۔ اتنا حسن اور آنکھیں حسن کو دیکھنے سے عاری رہیں! چنانچہ وہ مثال مجھے یاد آئی اور میں نے سوچا کہ ایک غرناطہ نہیں اس وقت سارا اندلس سارا سپین اندھوں سے بھرا ہوا ہے۔ خدا کے نور سے ناآشنا ہیں اصل حسن سے ناآشنا ہیں اور دیکھ نہیں سکتے۔ ان کی نہایت ہی قابل رحم حالت ہے وہ جو ان کو اس حسن کی خیرات دینا چاہتے ہیں وہ خیرات لینے سے بھی انکار کر رہے ہیں۔ اسے لینے کے لئے ان کے ہاتھ آگے نہیں بڑھتے۔ تب میری توجہ قرآن کریم کی اس آیت کی طرف منتقل ہوئی۔

وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ (بنی اسرائیل: ۸۴) کس قدر حسرت کا مقام ہے کہ جب ہم نعمت دیتے ہیں انسان کو اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وہ منہ موڑ لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے اور انکار کر دیتا ہے اس کو قبول کرنے سے۔

اس وقت یورپ کے اندھے تو غرناطہ کے اندھے بنے ہوئے ہیں قابل رحم تو ہیں لیکن لینے کی کوئی طلب نہیں ہے۔ واقفین عارضی کو وہ طلب بھی پیدا کرنی پڑے گی، ان کو یہ بینائی بھی دینی پڑے گی کہ تم محروم ہو اور ہم نہ صرف حسن لے کر آئے ہیں بلکہ تمہیں یہ بتانے بھی آئے ہیں کہ یہ حسن ہے اور تم اس سے محروم بیٹھے ہوئے ہو۔ یہ دو کام ہیں آپ کا ایک کام نہیں رہا آپ نے یہ خیرات ان کی جھولی میں ڈالنی بھی ہے اور اس خیرات کے لئے طلب بھی پیدا کرنی ہے۔ اس کے لئے آپ کو خود

حسین ہونا پڑے گا۔ ان صفات سے مزین ہونا پڑے گا جو نہ صرف یہ کہ حسن کی جاذبیت رکھتی ہیں بلکہ حسن کی جاذبیت کو دیکھنے والی آنکھ پیدا کرسکتی ہیں اور خدا تعالیٰ کے حسن میں یہ دونوں صفات پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حسن کا یہ کمال ہے کہ وہ اندھوں کو پہلے بینائی بخشتا ہے اور پھر اس بینائی کے سامنے اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ چنانچہ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (الضحیٰ:۸) میں ایک یہ بھی فلسفہ بیان فرمایا گیا ہے کہ تجھے تو ہم نے بھٹکتا ہوا پایا تھا ہم نے تجھے ہدایت دی یعنی اپنی طرف آنے کے لئے ہم نے ہی سب کچھ تمہیں عطا کیا تھا۔ آغاز میں جو طلب پیدا کی وہ بھی ہم نے پیدا کی، دیکھنے کی توفیق بھی ہم نے بخشی۔ پھر جلوہ بھی ہم نے دکھایا۔ تو کلیۃً ہدایت کے سارے مراحل کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر عائد ہوتی ہے۔ اس لئے اہل سپین کے اندھوں کو اگر آپ نے جا کر اسلام کی طرف مائل کرنا ہے تو حسن بھی بخشنا ہے اور حسن کی آنکھ بھی عطا کرنی ہے۔ اس کے لئے آپ کو صفات باری تعالیٰ سے مزین ہونا چاہئے۔ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا (حم السجدۃ:۳۴) آپ حسین ہو جائیں گے، سب سے زیادہ حسین قول کہنے والے بنیں گے مگر اس وقت جبکہ اللہ کی طرف بلائیں اور اللہ کے رنگ اختیار کر کے اس کی طرف بلائیں۔ عَمِلَ صَالِحًا کا یہی مطلب ہے کہ صرف اللہ کی طرف ہی نہ بلاؤ بلکہ اللہ کے رنگ اختیار کر کے پھر اللہ کی طرف ہی بلاؤ۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ اہل سپین کو اسلام کی طرف بلانے کے لئے یہ نیا لائحہ عمل بہت بہتر اور مفید ثابت ہوگا۔

سپین میں اس دفعہ ایک اور نیا تجربہ ہوا جو بہت ہی دکھ والا بھی تھا لیکن اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے خاص دعاؤں کی بھی توفیق بخشی۔ سفر کے دوران ایک ایسا خیال ہمارے ساتھی مکرم منصور احمد خاں صاحب کو آیا جس کا پہلے کم سے کم مجھے خیال نہیں آیا تھا۔ وہ ہمارے وکیل التبشیر بھی ہیں اور سفر کے دوران پرائیویٹ سیکرٹری بھی وہی تھے اور میرے ڈرائیور بھی وہی تھے۔ یہ تینوں کام خدا کے فضل سے انہوں نے بڑی ہمت سے کئے ہیں تو انہوں نے سفر کے دوران یہ بتایا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ یہاں اتنے مسلمان بستے رہے ہیں، آٹھ سو سال تک آباد رہے ہیں ان کا مقبرہ کبھی نہیں دیکھا۔ عمارتیں تو نظر آ رہی ہیں لیکن کہیں کسی مقبرے کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ اس وقت مجھے توجہ پیدا ہوئی اور میں نے کہا واقعۃً جب پچھلی دفعہ بھی جب ہم یہاں آئے تھے اور اس سے پہلے بھی جب میں اکیلا سپین

آیا تھا تو اس وقت بھی سارے سفر کے دوران کہیں بھی سپین میں مسلمانوں کا کوئی مقبرہ کہیں نظر نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے خاص مقصد کے لئے ڈالا تھا کیونکہ دوسرے دن غرناطہ پہنچ کر جب ہم صبح کی سیر کے لئے نکلے تو تجویز یہ کیا گیا کہ اسی جگہ جہاں غرناطہ کا الحمراء پیلس (Palace) ہے اس کے علاوہ بعض اور بھی ہیں وہ اس وقت چونکہ بند ہو گا۔ اس لئے اس پہاڑی کی چوٹی وہاں سے سارے اندلس کا منظر دور دور تک نظر آتا ہے اور غرناطہ کے تو سارے پہلو ہر طرف سے بڑے صاف، واضح دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے یہی فیصلہ کیا کہ اس پہاڑی کی چوٹی پر چلتے ہیں۔

عموماً جتنے بھی مسافر ہیں یا زیارت کرنے والے ان کو الحمراء اتنے زور کے ساتھ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے کہ اس سے آگے پہاڑی پر جانے کا کسی کو خیال ہی نہیں آتا۔ بہرحال چونکہ سیر کی عادت تھی اس لئے اس تجویز کو میں نے بڑا پسند کیا اور ہم اس پہاڑی کی چوٹی پر جانے لگے تو تقریباً دو تہائی فاصلہ طے کرنے کے بعد اچانک میرے ساتھی ڈاکٹر منصور الٰہی صاحب نے بتایا کہ یہاں ایک قبرستان ہے اور یہ مسلمانوں کا ایک ہی قبرستان ہے جو آج تک باقی ہے۔ چنانچہ میں نے دائیں طرف نظر ڈالی تو ابھی تک اس کے اوپر قبرستان کے متعلق عبارت لکھی ہوئی تھی اور اندر جا کر ہم نے دیکھا تو اکثر قبریں بالکل گڑھے بن چکی تھیں جس طرح اندھی آنکھیں ہوتی ہیں ان میں آنکھ کا ڈھیلا نہ ہو۔ اس قسم کی ان قبروں کی شکلیں تھیں اور وہ قبریں بڑی ہی دردناک حالت میں تھیں۔ وہ بہت وسیع علاقہ ہے وہ پہاڑی کا ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جو تمام کی تمام کسی زمانے میں غرناطہ کے مسلمانوں کے لئے قبرستان کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ وہاں کوئی کتبہ باقی نہیں ہے۔ صرف پتھروں کے کچھ نشان اور کچھ قبروں کے گڑھے ہیں۔ بعض جگہ لوگوں نے تھوڑی سی مٹی ڈال کر اس کو برابر کیا ہوا ہے ہیں اور چند قبریں ہیں جو تازہ ہیں مگر اکثر قبریں بڑی پرانی ہیں۔

وہاں دعا کے وقت ایک خاص کیفیت دل میں پیدا ہوئی اور ذہن پرانی ماضی کی تاریخ میں چلا گیا۔ نہیں کہہ سکتا تھا میرے لئے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ ان میں سے اولین دور کے غازی کون سے ہیں اور آخری دور کے وہ بدقسمت کون ہیں جنہیں اپنے ہاتھوں سے سپین کو غیروں کے سپرد کرنا پڑا۔ مگر یہ مجھے محسوس ہوا کہ اس مٹی میں دونوں خون ملے ہوئے ہیں۔ ان غازیوں کا بھی خون

ہے جنہوں نے خون دے کر اسلام کی عظمتوں کے لئے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی اور ان محروموں کا خون بھی اس میں ملا ہوا ہے جو بدقسمتی سے ایسے زمانے میں داخل ہوئے کہ جب وہ اپنی وراثت کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے تھے۔اس عظیم الشان غازیوں نے ورثے میں جو دولتیں عطا کیں ان کی حفاظت کرنے کے بھی وہ اہل نہ رہے تھے۔تو وہاں وہ قبرستان کیا تھا وہاں سپین کا مشرق بھی تھا اور سپین کا مغرب بھی تھا۔ جہاں سے سورج طلوع ہوتا تھا وہ جگہ بھی دکھائی دے رہی تھی اور جہاں سورج غروب ہو گیا تھا وہ جگہ بھی دکھائی دے رہی تھی۔

اس وقت میں نے دعا کی کہ اے خدا! یہ لوگ تو مٹی ہو گئے ان کے ظاہری بدن تو مٹی ہو گئے لیکن ان کی روحیں تیرے حضور زندہ ہیں۔میری آواز براہ راست تو ان تک نہیں پہنچ سکتی لیکن میری آواز کو تو ان تک پہنچا سکتا ہے اس لئے آج میں ان کو ایک پیغام دیتا ہوں تمام جماعت احمدیہ کی طرف سے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلیفہ کے حیثیت سے،حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے یہ پیغام ان کو دیتا ہوں کو کہ اگر چہ تم مر گئے اور زیر زمین جا سوئے لیکن درحقیقت میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم نہیں بلکہ سارا سپین مر گیا تم ہی زندگی کے نشان تھے۔تم ہی وہ تھے جو اس چمنستان کی زینت تھے،اس کی رونق تھے،تمہارے دم قدم سے سپین کی آبادیاں تھیں،تمہاری آوازوں کے ساتھ خدا کی تکبیر یہاں بلند ہوا کرتی تھی،تمہاری پیشانیوں پہ وہ نور تھا جو سجدہ کرنے والوں کی پیشانیوں کو عطا ہوا کرتا ہے پس اگر چہ تم آج تہ خاک جا سوئے ہو اور تمہارے ظاہری وجود کا کوئی بھی نشان باقی نہیں سوائے ان گڑھوں کے جو بے ڈھیلوں آنکھوں کی طرح بے نور گڑھے دکھائی دے رہے ہیں اور بظاہر یہ اسلام کی موت دکھائی دیتی ہے مگر میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے معرفت کا یہ نکتہ بیان کیا تھا کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دو موتیں جمع نہیں ہوسکتیں آپ کے ماننے والوں پر بھی دو موتیں جمع نہیں ہوسکتیں۔ان کے جسم تو مر سکتے ہیں مگر ان کے دین کو نہیں مرنے دیا جائے گا۔**پس میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ساری جماعت احمدیہ اس بات کا عہد کر رہی ہے اور اس عہد کو ہمیشہ نبھاتی رہے گی کہ جب تک اسلام دوبارہ سپین میں اسی شان کے ساتھ دوبارہ زندہ نہ ہو بلکہ اس سے بڑھ کر شان کے ساتھ دوبارہ زندہ نہ ہو جس طرح پہلی بار سپین میں زندہ ہوا تھا ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے۔** ہم مسلسل جدو جہد کرتے رہیں گے۔ہم مسلسل

کوشش کرتے رہیں گے۔ ہم تو اس آقا کے غلام ہیں جس نے بیابان میں یہ عجیب ماجرا دکھایا تھا کہ صدیوں کے مردوں کو، ہزاروں سال کے مردوں کو دوبارہ زندہ کر دیا تھا۔ وہ مردے الٰہی رنگ پکڑ گئے تھے۔ آج بھی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان احیائے موتیٰ کے صدقے اور آپ ﷺ ہی کے طفیل ہم اس مردہ سپین کو دوبارہ زندہ کریں گے۔

پس ہمارا انتقام تو وہی ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقام تھا، اس عفو کے شہزادے کا انتقام تھا، جو آپ پر موت برسانے کی کوشش کرتے تھے آپ انہیں زندگی عطا کرتے تھے۔ پس اے اسلام کے نام پر مارے جانے والو! ہم تمہاری خاطر، تمہاری ہی طرف سے سارے سپین میں زندگی کا پانی بکھیریں گے ان مردوں کو جو بظاہر سطح زمین پر بس رہے ہیں اور درحقیقت قبرستان کا منظر پیش کر رہے ہیں ان کو ہم زندہ کریں گے اور ان میں دوبارہ اسلام کی روح کو دوڑتا ہوا اور پنپتا ہوا دیکھیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور سپین سے انشاء اللہ ساری دنیا کے لئے اسلام کے مبلغ نکلیں گے اور ساری دنیا میں سپینش مسلمان اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کے لئے عظیم الشان قربانیاں دینے لگے گا یہ ہمارا مقصد اور ادعا ہے۔ اور میں عہد کرتا ہوں اے خدا! تو ہمیں توفیق عطا فرما! ہم اس عہد کو پورا کرنے والے ہوں کہ اس قبرستان کو جو ظاہری مسلمانوں کا قبرستان ہے سارے سپین کے لئے زندگی کا سرچشمہ بنا دیں گے۔ **آج اس قبرستان نے جو میرے دل کو زخمی کیا ہے اور جو میری روح کو چرکے لگائے ہیں اے خدا! اس سے ایسے خون کی آبشار نکال، ایسے خون کے سوتے نکال جو سارے سپین کو تر و تازہ کر دیں اور اسلام کا نیا رنگ بھر دیں اور تیری محبت کا نیا رنگ بھر دیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام یہاں پیدا ہوں اور صرف غلام نہیں اس شان کے غلام پیدا ہوں کہ وہ اسلام کے لئے ساری دنیا میں قربانیاں دینے لگیں۔** اور مجھے یہ خیال آیا اور میں عہد کرتا ہوں کہ ہم یہ کوشش جاری رکھیں گے اور یہ کوشش کریں کہ انشاء اللہ تعالیٰ بالآخر تمام دنیا کے ہر خطے میں سپینش مبلغ بھجوائیں گے جو وہاں جا کر اسلام کی تبلیغ کریں۔

یہی انتقام تھا جو ہم اس قوم سے لے سکتے تھے اور یہی وہ انتقام ہے جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کو زیب دیتا ہے اور میں آپ کو یہ اس لئے بتا رہا ہوں کہ جب میں آپ کی طرف سے یہ عہد کر چکا ہوں تو آپ نے اس عہد کو نبھانے میں ہر ممکن میری مدد کرنی ہے۔ انشاء اللہ

میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ صرف میرے دل کی آواز نہیں بلکہ ہر احمدی کے دل کی یہ آواز تھی۔ اگر آپ دعاؤں کے ذریعے اپنے اس عہد کو قائم اور زندہ رکھنے کے لئے خدا سے التجائیں کریں گے تو انشاءاللہ تعالیٰ یہ عہد ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس کے عظیم الشان پھل ہمیں بھی عطا ہوتے رہیں گے اور اہل دنیا کو بھی عطا ہوتے رہیں گے۔

خطبہ ثانیہ میں حضور نے فرمایا:

اس سفر کے دوران بعض بہت مخلص اور نیک احمدیوں کے وصال کی خبریں ملی ہیں اگر تو میں وہاں ربوہ میں موجود ہوتا میں تو خود ان کا جنازہ پڑھاتا۔ یہ میری بھی دلی تمنا ہوتی لیکن ان میں سے بھی اکثر کے متعلق یہی اطلاع ہے کہ ان کی دلی تمنا بھی یہی تھی کہ میں ان کا جنازہ پڑھتا اس لئے اکثر تو پاکستان کے ہیں، ایک فلسطین کے احمدی دوست بھی ہیں ان کے اقرباء کی طرف سے بھی یہی درخواست ملی ہے۔ ابھی جمعہ کے بعد ان سب کی نماز جنازہ غائب ہوگی۔

سب سے پہلے تو ان میں مکرم چوہدری محمد اسلم صاحب امیر ضلع سیالکوٹ کی افسوسناک اطلاع کی خبر ملی ہے۔ آپ کو دل کی تکلیف تو بڑی پرانی تھی مگر اسی حالت میں دورے کرتے تھے۔ سلسلہ کے کام خدا تعالیٰ کے فضل سے آخر دم تک پوری تندہی سے سرانجام دیتے رہے اور ابھی بھی ان کی اس وفات میں بھی ایک شہادت کا رنگ اس طرح پایا جاتا ہے کہ دینی سفر پر روانہ ہوئے تھے اور اسی سفر کے دوران آپ کا ہارٹ فیل ہوا ہے۔

دوسرے مکرم حسین علی خالد مصاف ہیں جو فلسطین کے ابتدائی احمدیوں میں سے تھے اور نہایت فدائی اور مخلص تھے اور رپورٹ یہ ہے کہ مبلغین کے ساتھ ہمیشہ تعاون کرتے اور تبلیغی اور تربیتی کاموں میں ہمیشہ ہاتھ بٹانے والے تھے۔

تیسرے ہمارے سلسلہ کے ایک پرانے بزرگ، سادہ، نیک مزاج، دعا گو، تبلیغ کا بے حد شوق رکھنے والے مکرم چوہدری سردار خاں صاحب چٹھہ موہلن کے ضلع گوجرانوالہ کے ہیں۔ ان کے بیٹے عبدالقدیر صاحب آج کل ناظر بیت المال قادیان ہیں۔ مرحوم موصی بھی تھے اور میں جانتا ہوں۔ میں وقف جدید کے خدام الاحمدیہ کے دوروں پر بہت پھرتا رہا ہوں بہت ہی غیر معمولی اخلاص ان کا دیکھا جس سے ہمیشہ بہت متاثر ہوا کرتا تھا۔

چوتھے مکرم سید ابوالحسن خورشید بخاری جو الفضل کے بھی خوشنویس تھے اور آج کل وہ خطبات کی کتابت بھی کر رہے تھے۔ بڑے محنتی اور سلسلہ سے محبت رکھنے والے تھے۔ایک بیٹا ان کا واقف زندگی ہے اور جامعہ احمدیہ میں طالب علم ہے۔ان کی بھی اچانک وفات ہوگئی۔

پانچویں ماسٹر سعد اللہ خاں صاحب فیکٹری ایریا ربوہ بڑے نیک مزاج اور پیار کرنے والے، محنت کے ساتھ پڑھانے والے، بڑے ہر دلعزیز استاد تھے احمدیہ ہائی سکول کے استاد تھے۔ہائی سکول سے ریٹائرمنٹ کے بعد بھی پرائیویٹ ٹیوشن کے طور پر کام کرتے رہے۔

پھر شیخ نذیر احمد صاحب اوکاڑہ یہ ہمارے ناصر شہید کے رشتہ داروں میں سے ہیں۔ان کو بھی تبلیغ کا جنون تھا اور ایک خاص رنگ تھا انکی تبلیغ کا جو دشمنوں کے اندر بھی جا کر ان کے دلوں کو نرم کر دیا کرتا تھا۔

پھر ایک ہماری خاتون ہیں۔خواجہ فضل احمد صاحب جو پیچھے اسلام آباد میں رہے ہیں ان کی بیگم امتہ الحیٔ صاحبہ۔ان کے متعلق تو میرا یہی علم تھا کہ اچھی صحت ہے، ٹھیک ہیں۔عمر بھی زیادہ نہیں تھی۔ پتہ نہیں کیا تکلیف ہوئی ہے۔اچانک ان کی وفات کی بھی اطلاع ملی ہے۔

انوری بیگم صاحبہ ڈاکٹر سردار علی صاحب ربوہ کی بیگم۔ان کی بھی وفات کی ان کے بیٹے نے اطلاع دی ہے یہ ہمارے ہمسائے میں ربوہ میں رہا کرتے تھے ایک زمانہ میں کرایہ پر مکان لے کر۔ بڑے مخلص دوست تھے ان کی بیگم بھی اللہ کے فضل سے بڑی متقی اور تہجد گزار تھیں۔

پھر مکرم چوہدری علی احمد صاحب جو جماعت میں بی۔اے بی ٹی سے مشہور ہیں جن کے ایک بیٹے عبدالسلام اختر صاحب واقف زندگی تھے۔ان کی بیگم سیدہ رشیدہ بیگم صاحبہ کی وفات کی بھی اطلاع ملی ہے۔ان کے تین بیٹے یہاں انگلستان میں بھی رہتے ہیں۔

ان سب کے علاوہ ایک ابھی اطلاع ملی ہے کہ صوفی رحیم بخش صاحب زیروی کی بیگم سارہ بیگم بھی وفات پاگئیں ہیں یہ محترم مولوی ابوالعطاء صاحب کی ہمشیرہ تھیں اور موصیہ تھیں۔ یہ بھی بہت دین کے کاموں میں رغبت رکھنے والی اور قربانی کرنے والی تھیں۔ یہ بہت قیمتی وجود ہیں جو ہم سے الگ ہوئے ہیں ان سب کی نماز جنازہ جمعہ کے بعد ہوگی۔

خطبہ ثانیہ کے بعد فرمایا:

مکرم چوھدری محمد اسلم صاحب کے بارہ میں یہ بتانا بھول گیا کہ یہ مکرم چوہدری شاہنواز صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ان سے آٹھ سال عمر میں چھوٹے تھے۔